امتحانات کا قدیم وجدید تصور

مولانا محمد عمران گودھروی

عربی کہاوت ہے: عند الامتحان یکرم الرجل أو یھان ''امتحان کے وقت انسان کی عزت کی جاتی ہے یا تذلیل''۔ امتحان، تعلیمی عمل کا ایک لازمی حصہ ہے اس سے معلم اپنی تدریس کی کامیابی وناکامی کا تجزیہ کرتا ہے اور مزید پیشہ ورانہ تدریسی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے تگ ودو کرتا ہے۔ مقاصد کے حصول اور کامیابی کا اندازہ کرنے کے لیے امتحان اور جانچ کا عمل ہوتا ہے۔ امتحان کا تصور کائنات کی ابتداء سے ہے۔ حضرت آدم اور اماں حوا علیہما السلام کو گندم کے دانے سے رکنے کا حکم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امرِ خداوندی سے اہلیہ اور دودھ پیتے بچے کو چٹیل میدان میں چھوڑ دینا ایک طرح کا امتحان ہے۔ اس امتحان کا تعلق نظری سے زیادہ عملی امتحان سے ہے۔

تعلیم وتدریس کے اختتام پر امتحان ایک لازمی حصہ ہے۔ امتحان کے ذریعے جانچ پھٹک اور حصول کے اندازہ کرنے کا عمل قدیم زمانے سے رائج رہا ہے۔ امتحان بظاہر خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے۔ اس میں صرف امتحان ہی ایک عمل نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے ایک مکمل نظام ہوتا ہے۔ اس مکمل نظام کو امتحان کی صورت میں پرکھا جاتا ہے۔

تدریسی اصطلاح میں امتحان سے مراد لیا جاتا ہے: ''تعلیمی سال کی انتہا میں مقاصدِ تدریس اور طلباء وطالبات کے حصول کی جانچ کے لیے موضوعی ومعروضی شکلوں میں تحریری یا تقریری انداز سے جانچنا''۔ اس کے نتیجے میں ممتحن یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ معلم مقاصدِ تدریس کے حصول میں کس قدر کامیاب ہوا ہے؟ اور کس قدر نہیں؟ پھر معلم اس امتحان کے نتیجے کی روشنی میں تدریس کی ترتیب بناتا ہے

پروفیسر علی اوسط صدیقی لکھتے ہیں:

''تشخیصِ قدر اور پیمائش نے (یعنی جائزہ اور امتحان کے بعد نتائج کو نمبر رنگ میں ظاہر کرنا) انسانی تاریخ

میں نہایت نمایاں کردارادا کیا ہے۔تاہم ان کی بنیاد اور اصل کے بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے صدیوں پہلے چین میں سول سروسز کے امتحان کا باقاعدہ نظام قائم تھا،اسی طرح قدیم یونانیوں کے تعلیمی نظام میں امتحان کو باقاعدہ حیثیت حاصل تھی،تعلیم کے سقراطی طریقہ میں زبانی امتحان کو کافی اہمیت حاصل تھی......زبانی امتحان کے استعمال کا طریقہ اس وقت سے چلا آرہا ہے جب سے انسان نے زبان بولنے کا طریقہ سیکھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے تقریباً چار صدیاں قبل سقراط(Scrates) نے زبانی طور پر سوالات پوچھنے کا طریقہ استعمال کیا جسے آج بھی بہت سے اساتذہ کرام اپنے شاگردوں کی قابلیت کی جانچ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے خود بھی اپنے معتقدین کو راہِ حق پر لانے کے لیے اسی طریقہ کو استعمال کیا،خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبلیغ وارشاد میں زیادہ تر اسی طریقہ کو استعمال کیا۔انیسویں صدی عیسوی کے آغاز کے بعد کاغذ،پنسل کے ذریعہ طلباء کی قابلیت کا طریقہ ایجاد ہونے تک امریکی اسکولوں میں زبانی امتحان ہی لیا جاتا تھا،بعض ممالک میں اب بھی قانونی طور پر زبانی آخری امتحان کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے "Thesis Oral" کا نام دیا جاتا ہے،کسی ملازمت کے لیے موزوں امیدوار کے انتخاب کے لیے لیا جانے والا انٹرویو زبانی امتحان کے سوا کچھ نہیں ہے اس کی مدد سے امیدوار کی علمی(Cignitive) جذباتی (Affective))اور استدلالی(Psychomative) خصوصیات کا اندازہ لگایا ہے۔ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر وقتاً فوقتاً زبانی کوئز(Oral Quiz)) کے پروگرام آتے رہتے ہیں،اگرچہ اس میں حصہ لینے والوں کو پہلے ہی تحریری امتحان کے ذریعہ ان کی اہلیت کی بنیاد پر منتخب کیا جاتا ہے تاہم یہ بھی زبانی امتحان کی ایک شکل ہے۔''

(تعلیمی پیائش وتشخیصِ قدر،پروفیسر علی اوسط صدیقی،89)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتحان لینے کے حکیمانہ طریقے:......مروّجہ طریقہائے امتحانات جدید اور ارتقائی عمل ہے قرونِ اُولیٰ میں بھی اس کی کچھ کچھ نظیریں ملتی ہیں،اس وقت نظری امتحان سے کہیں زیادہ عملی امتحان پر توجہ ہوتی تھی۔چناں چہ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں ایک سوال کیا:

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ :إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها وإنها مثل المسلم فحدثوني ما هي فوقع الناس في شجر البوادي، قال عبد الله :ووقع في نفسي أنها النخلة؛ فاستحييت، ثم قالوا: حدثنا ما هي يا رسول الله قال :هي النخلة۔ (صحيح

بخاری، جلد اول، حدیث نمبر: (۶۱)

اُس درخت کا نام بتائیں جس کی مشابہت انسان کے ساتھ ہے؟ حاضرین کے خاموش رہنے پر خود ہی جواب مرحمت فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے گھر واپسی پر اپنے والد حضرت عمرؓ سے کہا: ابا جان! اس کا جواب میرے جی میں آرہا تھا، مگر میں صاحبِ فضیلت صحابہ کرامؓ کی موجودگی کی وجہ سے خاموش رہا۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: بیٹے! اگر تم جواب دے دیتے تو میرے لیے اعزاز کی بات ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طالب علموں کا امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ لیکن نظری امتحان سے زیادہ عملی امتحان کی طرف توجہ ہوتی تھی۔ ایک صحابیؓ کو نماز پڑھتے دیکھا اس کی نماز میں قابلِ اصلاح چیز محسوس کی تو فرمایا: قم فصل فانك لم تصل ''جائیے! (دوبارہ) نماز پڑھیے آپ نے نماز نہیں پڑھی''، سہ بارہ لوٹانے پر اس کو پوری نماز سکھائی۔ عملی امتحان کا تصور زیادہ تھا اس کے باوجود کچھ مثالیں نظری امتحان کی بھی ملتی ہیں۔

مولانا قاضی مبارک اطہر پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے" باب طرح الامام المسئلة علیٰ اصحابه لیختبر ما عندهم من العلم "کے ذیل میں بعض واقعات بیان کیے ہیں، آموختہ سننے کا مقصد طلبا کی ہمت افزائی اور بعض باتوں کی تصحیح تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کے وقت یہ دعا بتائی: "عن البراء بن عازب قال: كان رسول الله إذا أوى الى فراشه قال: اليك اسلمت نفسي واليك فوضت امري واليك الجأت ظهري رغبة ورهبة اليك لا ملجأ ولا منجا منك الا اليك، امنت بما انزلت من الكتاب وبما أرسلت من رسول حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ دعا اسی طرح پڑھی البتہ ورسولك کہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے کی طرف ہاتھ سے اشارہ منع کر کے فرمایا: وبـــــنبيك یہ دعا پڑھ کر جو شخص سوئے گا، اگر اسی رات اس کی موت آئی تو فطرت کی موت ہوگی۔ (الکفایہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ کی تصحیح فرمائی حالانکہ بظاہر دونوں لفظ ہم معنی معلوم ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنون دعاؤں کے الفاظ میں فرق سے قبولیت میں فرق آجاتا ہے اور حدیث بیان کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ مخلوقات میں کس کا ایمان تم لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ کرام نے ملائکہ کا نام لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیوں ایمان نہ لائیں گے، وہ اپنے رب

کے پاس رہتے ہیں، صحابہ نے انبیاء کرام کا نام لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیوں ایمان نہ لائیں گے ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کا ایمان تمام مخلوقات سے اچھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ کیوں نہ ایمان لاؤ گے، میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: سب زیادہ محبوب میرے نزدیک ان لوگوں کا ہے جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے، انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا اس کے باوجود وہ میری تصدیق کریں گے۔ یا أیھا الناس من أعجب الخلق إیمانا ؟قالوا :الملائکة قال:وکیف لایؤمن الملائکة وھم یعاینون الأمر ؟ قالوا:فالنبیون یارسول الله قال: وکیف لایؤمن النبیون والوحی ینزل علیھم من السماء ؟قالوا:فأصحابك یارسول الله قال:وکیف لایؤمن أصحابی وھم یرون مایرون ولکن أعجب الناس إیمانا قوم یجیئون من بعدی یؤمنون بی ولم یرونی ویصدقونی ولم یرونی أولئك إخوانی۔(معجم الکبیر (87/12

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم مجھے قرآن سناؤ! میں نے عرض کیا، میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ وہ آپ پر نازل ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی اور جب میں اس آیت پر پہنچا ﴿فکیف إذا جئنا من کل أمة بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا﴾ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورہ یوسف کی تلاوت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو داد دی اور فرمایا: احسنت۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا اور سب سے قرآن پڑھوا کر سنا، ان میں سے ایک نوجوان کو پوری سورہ بقرہ زبانی یاد تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو امیر سریہ مقرر فرمایا: قال اذھب فانت امیر ھم(جامع ترمذی،باب ماجاء فی سورة البقرة وایة الکرسی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی قرآنِ کریم پڑھوا کر سنا کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش الحانی سے محفوظ ہوتے تھے۔

درسگاہِ نبوت کے فضلاء وفارغین کو زبانِ رسالت سے سند وشہادت دی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دینی وعلمی رسوخ کی شہادت دے کر امت کو ان سے علم حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتداء کرو، قرآن ان چار سے پڑھو: عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل میری امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں، جس شخص کو تر وتازہ قرآن پڑھنا پسند ہو، عبداللہ بن مسعود سے پڑھے۔ زید بن ثابت میری امت میں فرائض کے سب سے بڑے عالم ہیں، عبداللہ بن عباس قرآن کے بہترین ترجمان ہیں، ابوموسیٰ اشعری کو آل داود کی شہنائی دی گئی ہے۔

(تلخیص، خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظامِ تعلیم وتربیت، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری)

یہ کچھ مثالیں نمونہ از خروارے کے قبیل سے ہیں ورنہ احادیث کے ابواب میں اس بارے میں اور بھی واقعات مل سکتے ہیں۔ امتحان تعلیمی عمل کا ایک لازمی حصہ ہوا کرتا ہے اس سے معلم اپنی تدریس کی کامیابی وناکامی کا تجزیہ کرتا ہے اور مزید تدریسی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے تگ ودو کرتا ہے۔ امتحان کا تصور ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔

قدیم زمانے میں امتحان:......موجودہ زمانے میں جو امتحانات کے طریقے رائج چلے آرہے ہیں ان طریقوں کو ارتقائی کہا جاسکتا ہے جس طرح دنیا نے اور چیزوں میں جدیدیت کو جگہ دی ہے اسی طرح امتحانات بھی مختلف ادوار سے ترقی کرتے ہوئے اس نہج تک پہنچے ہیں، ہر دور میں تعلیم کے درس ہائے تدریس میں تبدیلیاں واقع ہوئی، اسی طرح امتحانات کے طریقوں میں تبدیلیاں ہونے لگی جیسا کہ اس سے پہلے سطور میں عرض کیا گیا کہ امتحان بذاتِ خود مقصود نہیں ہے مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ اور سبب ہے، امتحانات کے قدیم پس منظر کے متعلق پروفیسر عبدالغفار نے کافی اہم معلومات قلم بند کی ہیں، یہ معلومات انہوں نے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد کے تحت ایک سیمینار میں حاضرین کے سامنے رکھی، ذیل میں ان کا طویل اقتباس من وعن نقل کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر پروفیسر عبدالغفار فرماتے ہیں:

> ''انیس ویں صدی کے وسط میں برصغیر پاک وہند پر برطانوی حکومت نے ایک نئے نظام تعلیم کی بنیاد ڈالی۔ ایک طرف وقت کے ساتھ ساتھ اس کی جڑیں مضبوط ہونے لگیں۔ دوسری طرف مروجہ دیسی نظام تعلیم، زوال پذیر ہونے لگا، دراصل مغربی نظام تعلیم کے مقاصد، ضرورتیں اور دلچسپیاں مختلف تھیں۔ ان کا زیادہ زور پبلک امتحانات پر تھا۔ جس کے مضر اثرات آج تک محسوس ہورہے ہیں۔ تعلیم کا تصورِ تعلیم سب کے لیے نہ تھا بلکہ ایک خاص طبقے کو پیدا کرنا تھا۔ جو بظاہر رنگ ونسل، قد وقامت اور گوشت پوست سے کالا ہو، مگر ذہنی، اخلاقی اور ذوق وشوق کے اعتبار سے گورا ہو۔ انگریزی تعلیم،

ذریعہ تعلیم اور طریقہ امتحانات نے اس مقصد کے حصول میں موثر کردار ادا کیا ہے۔ میٹرک کا امتحان پہلے لندن میں ہوا کرتا تھا۔ جب 1851 کے بعد ہندوستان میں یونیورسٹیاں بنیں تو پھر یہ امتحان یونیورسٹیاں لینے لگیں۔ میٹرک سرٹیفکیٹ ملازمت حاصل کرنے یا اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے کا واحد ذریعہ سمجھا جاتا تھا، پبلک امتحانات کی اہمیت کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ حکومت تعلیمی اداروں کو مالی امداد امتحانات میں بہتر نتائج دکھانے کے اصول پر دیا کرتی تھی۔ آہستہ آہستہ امتحانات تمام مقاصد تعلیم، نصاب اور طریقہ تدریس پر چھا گئے۔ برطانوی حکومت کے دور میں بھی مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں کی رپورٹوں میں نظامِ امتحانات کی کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی تھی، مگر انہیں دور کرنے کے لیے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا، پبلک امتحانات کی اہمیت کم کرنے کے لیے حکومت کی یہ پالیسی بھی ناکام رہی کہ ملازمت کے حصول کے لیے اسکول کا اپنا جاری کردہ سرٹیفکیٹ کافی ہوگا، البتہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلہ کے لیے میٹرک کا امتحان پاس کرنا ضروری ہوگا۔ پاکستان بننے کے بعد اس کی تعمیرِ نو کے لیے میٹریکولیٹس اور گریجویٹس کی اشد ضرورت تھی، جس سے پبلک امتحانات کو مزید تقویت پہنچی۔ ملازمت کے مواقع جوں جوں بڑھتے گئے، لوگوں کی سرٹیفکیٹ اور ڈگری حاصل کرنے کی تمنا بھی بڑھتی گئی اور امتحانات میں بحرانی صورت پیدا ہونے لگی، جب ملازمین کے حصول اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلے کے مواقع سکڑنے لگے تب تعلیم کے ساتھ روزگار کی ضمانت دو کے نعرے لگنے شروع ہونے لگے"۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

"امتحانات عملِ تعلیم کا ایک ناگزیر حصہ ہیں۔ تعلیم کے اثرات اور اکتسابِ علم کی کیفیت جانچنے کے لیے تاریخ انسانی کے معلوم ماضی میں، کسی نہ کسی شکل میں، کوئی نہ کوئی نظام جائزہ مستعمل رہا ہے۔ دورِ جدید میں سائنسی طرزِ فکر کے پروان چڑھنے اور انسانی معاملات میں مقداری پیمانوں کی اہمیت اختیار کرجانے کی وجہ سے، درس وتدریس میں بھی اس کے اثرات ہوئے ہیں اور تعلیم کے میدان میں جائزہ و پیمائش کو زیادہ درست، معروضی اور بااعتبار بنانے کے لیے بہت کچھ کیا گیا ہے۔ مغربی دنیا میں تعلیم وتدریس کے مختلف پہلوؤں کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں پہلا اکتسابِ علم، دوسرا فہمِ علم، تیسرا اطلاقِ علم، چوتھا تجزیہ وتالیفِ علم اور پانچواں جذبات، احساسات اور رویوں کا اظہار مطلوب۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے معلمانہ فرائض یعنی تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیہ نفس کے لحاظ سے بھی جائزہ وامتحان کا عمل تعلیم وتدریس کے ان چار

پہلوؤں پر حاوی ہونا چاہیے۔''

(پاکستان میں نظام امتحانات، بحران، اسباب، حل، ص59)

دینی مدارس کا نظام امتحان:...... تقسیم سے قبل دارالعلوم دیوبند کا قابل رشک نظام امتحان تھا، پاکستان کی جملہ جامعات نے ایم اے ایجوکیشن کے نصاب میں اس عنوان کو خصوصیت اور اہمیت سے جگہ دی ہے۔ تقسیم کے فوراً بعد ہمارے ہاں بھی مدارس بنے۔ 1959 میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نام سے دینی مدارس کا ایک بورڈ تشکیل پایا۔ حضرت مولانا شمس الحق ؒ اور حضرت مفتی محمود ؒ اس کے پہلے صدر اور جنرل سیکریٹری مقرر ہوئے۔ ان 56 سالوں میں وفاق ایک لاکھ بیس ہزار علماء کو اور ایک لاکھ پچاس ہزار عالمات کو دورہ حدیث کی سند جب کہ نو لاکھ پچاس ہزار کے قریب حفاظ کرام کو حفظ کی سند جاری کر چکا ہے۔ اس اعتبار سے وفاق المدارس حکومت پاکستان کی طرف سے منظور شدہ پانچ مدارس بورڈ میں سے سب سے بڑا بورڈ ہے۔ 2014 میں سعودی عرب میں ''خدمت قرآن کریم کے انٹرنیشنل ایوارڈ'' سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ اس سے ملحق مدارس کی موجودہ تعداد تقریباً 19500 جب کہ ان میں طلباء وطالبات کی تعداد تقریباً 2306000 ہے۔ ملحق تمام مدارس میں وفاق کے ضابطے اور نصاب کے مطابق سال بھر درس وتدریس کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ تمام مدارس اپنے ہاں سہ ماہی اور ششماہی امتحانات اپنے ضابطے کے مطابق کرواتے ہیں۔ جب کہ سالانہ امتحان آخری چار درجوں کا ہر سال جب کہ تحتانی درجات کا ایک سال بعد وفاق المدارس منعقد کرتا ہے۔ وفاق المدارس کا منظم نظام امتحان ہے۔ امتحانی فارم کے اجراء، جانچ پڑتال، کمپیوٹرائز ریکارڈ کی ترتیب، ایڈمٹ کارڈز کی ترسیل، مراکزِ امتحان، نگران عملے کی تقرری وغیرہ تمام امور کی انجام دہی مرکزی دفترِ ملتان سے کی جاتی ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ چاروں صوبوں، آزاد کشمیر سمیت شمالی علاقہ جات میں ایک ہی وقت میں پرچہ شروع اور ختم ہوتا ہے۔ امتحانی پرچوں کو پختہ کار مدرسین سے تیار کروا کر چھپائی اور ترسیل انتہائی صیغہ راز میں ہوتی ہے۔ امتحانی پرچوں کے سوالات زیادہ تر موضوعی (Subjective) ہوتے ہیں، تحتانی درجات میں اب معروضی (Objective) سوالات کی بھی کچھ گنجائش رکھی گئی۔ امتحانات کے بعد 15 دن تک جوابی کاپیوں پر مارکنگ اور بعد ازاں نتائج کی ترتیب کے عمل کے بعد امتحان سے ایک ماہ میں چاروں صوبوں، آزاد کشمیر سمیت شمالی علاقہ جات کے نتائج کا بیک وقت اعلان کیا جاتا ہے۔

خلاصہ:...... امتحانات نظام تعلیم کا ایک لازمی جزو ہیں۔ یہ ہم سب تسلیم کرتے ہیں، مگر ہم نے اس کے بارے میں شاید کبھی سنجیدگی سے سوچا ہو۔ ڈاکٹر عبدالغفار لکھتے ہیں:

''ہمارے امتحانات محض اکتسابِ معلومات کا احاطہ کرتے ہیں، جبکہ انسانی مصرف میں آنے والی دیگر مطلوب صفات، صلاحیتیں اور مہارتیں احاطہ امتحان سے باہر ہیں۔ اکتسابِ معلومات کا جائزہ بھی مطلوب

پوری معلومات کا احاطہ نہیں کرتا۔ (حوالہ سابق)۔

ترقی یافتہ ممالک میں بھی نظام امتحانات میں نمایاں تبدیلیاں لائی جارہی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ہمارے امتحانات محض طلبا وطالبات کی تعلیمی قابلیت کا اندازہ لگانے تک محدود ہیں وہ بھی غیر قابل اعتماد طریقوں سے، کہ پیش نظریہ مقصد بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

راقم کو الحمدللہ وفاق المدارس کے علاوہ دو، تین عصری بورڈز کے امتحانات میں نگرانی اور مارکنگ کے عمل میں حصہ لینے کا موقع ملا ہے اور سال گذشتہ جامعہ کراچی کے تحت ایم ایڈ کے مقالے کا عنوان بھی ''وفاق المدارس العربیہ کے نظام امتحانات کا تحقیقی مطالعہ'' تفویض کیا گیا تھا، راقم نے اس مطالعے کے لیے دو سوال ناموں کے ذریعے معلومات اکٹھی کیں۔ (ایک سوال نامہ مدرسین اور ایک سوال نامہ دورہ حدیث کے طلبا کی خدمت میں پیش کیا تھا) طلباء و مدرسین مجموعی اعتبار سے نظام امتحانات اور امتحانی ہال سے لے کر پرچوں، مارکنگ اور نتائج کے عمل سے عملاً مطمئن تھے۔ وفاق المدارس کے نظام کا مروجہ عصری جامعات اور بورڈز کے نظام امتحانات سے تقابلی مطالعہ کے عنوان پر اگر تحقیق کی جائے تو ہم عصر دینی وعصری بورڈز کو ایک دوسرے کی خوبیاں اور خامیاں سمجھنے اور سمجھانے میں کافی مدد مل سکتی ہے اور نظام کی اصلاح میں مدد ومعاون بن سکتی ہے۔ اس کی کافی کمی محسوس ہوتی ہے کہ عصری مدارس کے بورڈز مدارس عربیہ کے نمائندوں کو اپنے ساتھ بٹھانے میں خفت محسوس کرتے ہیں۔

بہر کیف ! وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانات کی کارکردگی اور شفافیت ملک بھر کی جامعات، وفاقی اور صوبائی بورڈز کے مقابلے میں مجموعی اعتبار سے تسلی بخش ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خواندگی کے عمل میں نمایاں اضافہ کرنے پر ہماری حکومت، مدارس اور وفاق المدارس کی تحسین کرے اور ان کے مثبت اقدامات کو عالمی سطح پر اجاگر کرنے کے لیے اپنی کوششیں بروئے کار لائے اور اس کی بھی ازحد ضرورت ہے۔

گلوبلائزیشن کے اس دور میں ہمیں بھی موجودہ سائنسی تبدیلیوں کی وجہ سے صرف موضوعی پرچے بنانے کے بجائے اپنے نظام کو مزید منظم (systematic) اور فعال (active) بنانے کے لیے جدیدیت کی گنجائش رکھنے کی ضرورت ہے۔ امتحانی پرچوں میں امتحان کی جملہ اقسام مثلاً معروضی، کثیر الانتخابی، خالی جگہیں، درست، غلط، مختصر جوابات وغیرہ کو بھی اپنانے کے لیے وسیع پیمانے پہ مشاورت کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف طلبا وطالبات کے قوتِ فہم کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ رٹا فیکیشن کی بھی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ جامعات کی سطح پر مقالے لکھوائے جاتے ہیں اس پر بھی مشاورت کی ضرورت ہے کہ دورہ حدیث شریف کے طلباء وطالبات کو درجہ عالمیہ کی سند اُس وقت تک نہ تفویض کی جائے جب تک وہ کسی موضوع پر مواد اکٹھا کر کے اس کو ترتیب نہ دیں۔

☆......☆......☆